حضرت غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: محمد خالد جاذبی

منزلِ حق

کا ایک نوعمر و نوخیز راہی، آبادی سے دور، دریا کے کنارے اپنے گرد و پیش سے بے خبر ایک روز عبادتِ الٰہی میں محو تھا۔ نہ جانے کتنے پہر گزر چکے تھے۔ محویت ٹوٹی تو نظر ایک خوش رنگ سیب پر پڑی جو دریا کی مچلتی، گنگناتی اور اٹکھیلیاں کرتی موجوں کے دوش پر ڈوبتا ابھرتا ہوا جا رہا تھا۔ موجیں سیب کو کنارے کے قریب لے آئیں۔ ننھا منا دریا کا یہ تحفہ، اور وہ بھی بھوک کے وقت، نوجوان نے ہاتھ بڑھایا اور سیب پکڑ لیا۔ تر و تازہ اور ٹھنڈا سیب نوجوان نے کھا تو لیا لیکن فوراً ہی بعد احساس بھی دل میں کانٹے کی طرح چبھا کہ اس سیب پر اس کا تو کوئی حق نہ تھا۔ کس قدر پُر فریب ہے نفس کا فسوں، ترغیب دیتا ہے اور پھر ملامت کرتا ہے۔ جن کے ضمیر میں زندگی کی ذرا سی بھی رمق ہوتی ہے وہ اس کا فسوں پا جاتے ہیں۔ نوجوان کے ضمیر میں تو زندگی کی تڑپ تھی۔ حقیقت کو پانے کی جستجو تو اسے شہروں سے بیابانوں میں لے آئی تھی۔

سوچتے سوچتے نوجوان اسی سمت روانہ ہو گیا، جس طرف سے وہ سیب بہتا ہوا آ رہا تھا۔ دریا کے کنارے دور کہیں اسے ایک باغ نظر آیا، جہاں سیبوں سے لدی شاخیں دریا کو چومتی معلوم ہو رہی تھیں۔ نوجوان کو یقین ہو گیا کہ وہ سیب اسی باغ کے مالک کی ملکیت تھا۔ جونہی وہ اس باغ میں داخل ہوا اس کی نظر ایک بزرگ پر پڑی۔ عمر رسیدہ، سفید ریش، باوقار اور پُر نور چہرہ اور متین آنکھیں۔

نوجوان نے بعد سلام مسنون وآداب عرض کیا:
"میں نے آپ کے باغ کا ایک سیب آپ کی اجازت کے بغیر کھا لیا ہے معافی چاہتا ہوں یا اس کی قیمت ..."

بزرگ اپنے وقت کے عارفِ حق اور ولی روشن ضمیر تھے، ایک ہی نظر میں پہچان گئے کہ نووارد راہِ حق کا متلاشی ہے۔ تربیت چاہتا ہے۔ فرمانے لگے۔"میاں صاحبزادے، غلطی کی ہے تو سزا کے لئے بھی تیار رہو۔ میرے باغ میں رہو اور کچھ عرصہ خدمت کرو۔"

نوجوان نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور بارہ سال خدمتِ باغبانی انجام دی۔ اس دوران بزرگ نے بھی اس نوجوان کی تعلیم و تربیت پر اسی ذوق و شوق سے توجہ دی جس طرح ایک تجربہ کار مالی پودوں کی آبیاری کرتا ہے۔

خدمت گزاری کی مقررہ مدت گزر چکی تو نوجوان نے ایک روز بزرگ سے واپسی کی اجازت طلب کی۔ بزرگ نے قدرے توقف فرمایا اور پھر کہا۔" میاں صاحبزادے! ایک خدمت اور ہے۔ تم میری لڑکی سے نکاح کر لو، لیکن وہ گونگی، بہری، نابینا اور لولی ہے۔" نوجوان بڑا متحیر اور پریشان ہوا۔ نفس بغاوت پر آمادہ ہو گیا کہ بوڑھے کی بات نہ مانو، زندگی خراب نہ کرو، لیکن گزشتہ برسوں کی تعلیم و تربیت نے درسِ ادب دیا تھا درسِ بغاوت نہیں۔ نفس کشی سکھائی تھی نفس پروری نہیں۔ صحبتِ صالح سے جو زندگی کی راہ متعین ہوئی تھی اس کا مقصود رضائے رب اور بہبودئ خلق تھا۔ ذاتی منفعت اور کسی کی دل شکنی نہ تھا۔ اور پھر گزشتہ ایام کی طویل مدت کے دوران اس نے بزرگِ محترم کی کسی بات کو بھی رد نہ کیا تھا۔

نوجوان نے سر کی جنبش سے اپنی رضا کا اظہار کیا اور نظریں بزرگ کے قدموں کی جانب جھکا دیں۔

بزرگ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ ایجاب و قبول ہوا اور رشتۂ ازدواج قائم ہو گیا۔

نوجوان جب حجلۂ عروسی میں داخل ہوا تو اس نے اپنی دلہن میں بتائے گئے عیوب میں سے کوئی بھی عیب نہ پایا تو بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا شیخ! میری عروس میں تو آپ کی بیان کردہ کوئی بات بھی نہیں"۔ بزرگ مسکرائے کہنے لگے۔ "میاں صاحبزادے! الفاظ کے معنوی معنی بھی تو ہوا کرتے ہیں۔ وہ گونگی بہری ان معنی میں ہے کہ اس نے تم سے قبل نہ کسی غیر محرم سے بات کی اور نہ کسی کی بات سنی۔ نابینا ہے کہ اس نے کسی غیر محرم کو دیکھا نہیں اور لولی اس لئے ہے کہ اس نے گھر کی چہار دیواری سے باہر قدم نہیں رکھے۔"

تقویٰ و پرہیزگاری کی اس پیکرِ جمیل کا نام حضرت سیدہ فاطمہ ام الخیرؒ تھا اور وہ بزرگ حضرت سید عبداللہ صومعی تھے جن کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام سے ملتا تھا۔ اور وہ عالی بخت و خوش نصیب نوجوان جو باغِ عرفان میں پروان چڑھا اور ثمر بیش بہا سے نوازا گیا فرزندِ ارجمند تھا ایک دوسرے درویش حضرت سید عبداللہ جنبلی کا جو حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام کی آل تھے، نام تھا اس نوجوان کا حضرت سید موسیٰ ابوصالحؒ۔

حضرت سید ابوصالح موسیٰؒ نے اپنی زوجہ حضرت سیدہ ام الخیر فاطمہؒ کے ساتھ ایران کے صوبہ گیلان کے ایک قصبہ نیف میں رہائش اختیار کر لی۔ دونوں

میاں بیوی عرصہ دراز تک لاولد ہی رہے۔ جب دونوں بڑھاپے کی حدود کو جا پہنچے تو بارگاہ ربوبیت سے خصوصی رحمت کا نزول ہوا۔ بچے کی ولادت کے آثار پا کر دونوں انتہائی مسرور ہوئے۔

شبِ ولادت حضرت ابو صالح موسیٰؒ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ حضورؐ چند صحابہ کرامؓ کے ہمراہ رونق افروز ہوئے ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں:

"اے ابو صالح! تجھے اللہ تعالیٰ نے ایک صالح بچہ عطا فرمایا ہے، جو میرے بچے کی مانند ہے۔ وہ اللہ کا اور میرا محبوب ہوگا۔"

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت مبارکہ کے بموجب حضرت سید ابو صالح موسیٰؒ اور حضرت سیدہ ام الخیر فاطمہؒ کے فرزند جلیل حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک سنہ ۴۷۰ھ کو ہوئی۔ نومولود کی ولادت کے آثار تو پہلے سے ہی ظاہر ہو رہے تھے۔ بعد ولادت نومولود خود بھی دیگر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ چونکہ نومولود نے صبح تا غروب آفتاب نہ شیر مادر قبول کیا اور نہ کوئی دوسری چیز۔ یہی کیفیت دوسرے اور تیسرے روز بھی رہی۔ بات گھر کی چہار دیواری سے نکل کر قرب جوار میں پھیل گئی کہ سیدوں میں ایک ایسا بچہ تولد ہوا ہے جو دن میں دودھ نہیں پیتا، بالفاظ دیگر افرادِ خانہ کی طرح صاحبِ صوم ہوتا ہے۔ لوگ جوق در جوق اس نومولود کو دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ بات اس درجہ قابلِ اعتماد اور زبان زد خاص و عام ہوئی کہ آئندہ سال مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے جب ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آیا تو دوسرے دن لوگ حضرت سید ابو صالح موسیٰؒ اور حضرت سیدہ ام الخیر فاطمہؒ کے مکان پر یہ معلوم کرنے آئے کہ آیا ان کے بچے نے آج دودھ پیا ہے یا نہیں؟

عہدِ طفولیت ہی سے آپ کی طبیعت اور عادات دوسرے عام بچوں سے مختلف تھیں جبکہ ہم عمر بچے گلیوں میں خاک دھول اور کوڑا کرکٹ سے لاپروا، کھیل کود کرتے، شور و غل کرتے تو آپ ان سے دُور ہی رہتے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ آپ ان کے کہنے پر یا از خود ان کے کھیل کود میں شریک ہو جاتے تو روک دیئے جاتے۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے خود ایک مقام پر ارشاد فرمایا: "میں اپنے بچپن میں اپنے وطن کے اندر ایک آواز سُنا کرتا تھا۔ "یا مبارک!" پس میں اسی آواز سے ڈر کر بھاگا کرتا تھا۔ چونکہ بولنے والا دکھائی نہ دیتا تھا۔ نیز خلوت میں مجھے سنائی دیا کرتا تھا کہ کوئی کہنے والا مجھ سے کہتا ہے: "میں تم کو اچھے حال پہ پا رہا ہوں۔"

آپ اپنے ہم جماعت بچوں میں سب سے زیادہ ذہین تھے جو درس استاد سے ایک بار پا لیتے وہ آپ کے ذہن نشیں ہو جاتا۔ نہ استاد کو کبھی دوسری بار بتانے کی ضرورت پڑتی اور نہ آپ دریافت کرتے۔ آپ کی اس ذہانتِ طبع نے آپ کو تمام بچوں میں ممتاز بنا دیا تھا۔ استاد خصوصی توجہ دیتے اور ہم جماعت عزت و اکرام سے پیش آتے تھے۔

ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ آپ کے والد ماجد اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، اور آپ اپنے نانا کے

زیرِ ولایت آ گئے۔ جن ہاتھوں نے ماں باپ کی ذہنی اور روحانی تربیت کی تھی وہی ہاتھ اب اس نوخیز پودے کی آبیاری کرنے لگے۔

آپ کا سن مبارک اٹھارہ برس کا ہوا تو آپ نے وہ تمام مذہبی تعلیم مکمل کر لی جو گیلان میں رہتے ہوئے ممکن الحصول تھی۔ ذہانتِ طبع، والدہ کی تربیت اور نانا کے فیضان سے حصولِ علم کی تڑپ قلب میں بیدار ہو چکی تھی لیکن علم کی شمعِ فروزاں گیلان سے سینکڑوں میل دُور بغداد میں نور افشاں تھی۔ اور یہی بات عبدالقادر کی بے چینی کا سبب بنی ہوئی تھی۔ نظریں بغداد کے اُفق کی جانب اُٹھتیں، لیکن گیلان کی سرزمین پر مچل کر رہ جاتیں۔ دل میں ہوس سی تو اٹھتی، لیکن زبان بند ہو جاتی۔ اب تو آپ کے نانا بھی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے۔ والدہ ماجدہ تھیں جن کی عمر اٹھہتر سال ہو رہی تھی اور ایک کم سن بھائی تھے، حضرت سیّد عبداللہ گیلانی۔ ان حالات میں گھر کو خیرباد کہنا ایک دشوار فیصلہ تھا۔ اسی کشمکش میں شب و روز گزر رہے تھے کہ ایک روز بے ساختہ زبان پر آ گیا۔

"یا اُمّ حضور! مجھے اللہ کے سپرد کر دیجئے اور حکم دیجئے کہ میں بغداد جاؤں اور علم حاصل کروں اور صالحین کی زیارت سے شرف پاؤں۔" ضعیف ماں کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں جن میں مسرت کی چمک بھی تھی اور چراغِ سحری کی تڑپ بھی۔ ماں نے آنسوؤں کے گھونٹ تو جیسے ہی حلق میں اُتار لئے، لیکن نیک تمناؤں اور دُعاؤں کے ساتھ بیٹے کو اجازت دے دی اور حتی المقدور لختِ جگر کے سفر کی تیاریوں میں دل و جان سے مدد بھی کی۔ مرحوم شوہر کے ترکہ میں چھوڑے ہوئے اسّی دینار محفوظ کر رکھے تھے، ان میں سے نصف دینار فرزندِ بلند اقبال کی عبا میں سی دئے تاکہ وقتِ ضرورت دیارِ غیر میں کام آئیں۔ باقی ماندہ نصف رقم اپنے چھوٹے بیٹے کے لئے محفوظ رہنے دی۔

اور پھر وہ وقتِ سفر بھی آ گیا جب ماں نے جواں سال بیٹے کی پیشانی پر مہرِ محبت ثبت کرتے ہوئے وصیّت کی۔ "اے عبدالقادر سچائی کا دامن نہ چھوڑنا کہ سچ بولنا زندگی ہے۔ اور جھوٹ بولنا موت اور خسارہ . . . . ." بیٹے نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ نصیحت کے گراں قدر موتی قلب میں پیوست ہو گئے۔

اُنہی دنوں ایک قافلہ بغداد جا رہا تھا۔ حصولِ علم کے نوعمر و نوخیز طالب حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی بھی شریکِ کارواں ہو گئے۔ جب دیبک کی سنگلاخ وادی سے گزر کر ہمدان کے مضافات میں داخل ہو رہا تھا تو دفعتاً ساٹھ مسلح قزاقوں نے آ دبوچا۔ حملہ اس قدر اچانک اور سرعت کے ساتھ ہوا کہ کسی کو سنبھلنے کی مہلت نہ ملی۔ جو مسافر جس حال میں تھا اسی طرح ہیبت زدہ رہ گیا۔ خود کو مجبور و لاچار پا کر مسافروں نے قزاقوں کی منت و سماجت کی، روئے، اللہ اور رسولؐ کے واسطے دئے لیکن وہ ظالم تو ایسے سخت دل تھے کہ ان پر اثر ہی نہ ہوا۔ انہوں نے ایک ایک مسافر کو لوٹا اور تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ نہ چھوڑا۔ ایک قزاق آپ کے پاس بھی آیا اور تڑخ کر کہا: "اے لڑکے تیرے پاس کیا ہے؟" آپ نے بلا خوف جواب دیا "چالیس دینار!"

قزّاق کو آپ کے پُر اطمینان لہجے اور بے باک جواب پر تعجب ہوا۔ اُس نے آپ کو سر تا پا دیکھا۔ معمولی لباس جو کہ طویل مسافت کے بعد نہ صرف گرد آلود ہو چلا تھا بلکہ کہیں کہیں سے بوسیدہ بھی ہو چکا تھا۔ پھر آپ کی بے سروسامانی مفلوک الحالی کا مرقع بنی ہوئی تھی۔ قزّاق کو یقین نہ آیا کہ آپ کے پاس چالیس دینار کی رقم بھی ہو سکتی ہے۔ اس نے آپ کی طرف نگاہ بھر کے دیکھا اور پھر دوسرے مسافر کی طرف متوجّہ ہو گیا۔

لوٹ مار کا سلسلہ ختم ہوا تو تمام قزّاق ایک قریبی مقام پر اپنے سردار احمد بدوی کے اِرد گرد جمع ہو گئے۔ لوٹ کا مال و متاع ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا۔ سردار نے تحکمانہ لہجے میں اپنے گروہ کے آدمیوں سے پوچھا: "کوئی مسافر تلاشی سے رہ تو نہیں گیا۔؟" سردار کے سوال کرنے پر وہی قزّاق جو آپ کے پاس آیا تھا کہنے لگا۔ "سردار! صرف ایک لڑکا رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اُس کے پاس چالیس دینار ہیں۔ لیکن اس کی حالت اس کے بیان کو جھٹلاتی ہے۔" سردار نے کہا: "اس لڑکے کو یہاں لاؤ۔" جوں ہی آپ سردار کے سامنے پیش کئے گئے، اُس نے گرجدار آواز میں کہا "لڑکے تیرے پاس کیا ہے؟" آپ نے بلاخوف اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ "چالیس دینار!" سردار نے پھر کہا "نکالو وہ دینار کہاں چھپا رکھے ہیں۔" آپ نے اپنی گرد آلود بوسیدہ عبا کا وہ حصّہ اس کے سامنے کر دیا، جہاں آپ کی والدہ ماجدہ نے بطورِ حفاظت دینار سی دیئے تھے۔ جب عبا سے پورے چالیس دینار برآمد ہوئے تو سردار بڑا متحیّر ہوا اور کہنے لگا۔ "میاں صاحبزادے تم نکلے تو بات کے سچے لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارے قافلے کے ہر فرد نے اپنی رقم اور سامان بچانے کے لئے جھوٹ بھی بولا اور ہمارے سامنے طرح طرح کے واسطے بھی دیئے، منّت سماجت بھی کی لیکن تم نے اپنی یہ رقم بچانے کے لئے کوئی جتن نہ کیا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟" آپ نے اسی اطمینان اور سکون کے ساتھ جواب دیا: "جب میں گھر سے روانہ ہو رہا تھا تو میری ماں نے سچ بولنے کی تلقین کی تھی اور کہا تھا کہ سچائی زندگی ہے اور جھوٹ موت۔"

سادگی اور صداقت میں ڈوبے ہوئے الفاظ سردار کے قلب پر ایک بجلی کی طرح کوندے۔ اس کے سیاہ دل میں ابھی سچائی قبول کرنے کی رمق باقی تھی کہ جلا پا گیا۔ مخلوقِ خدا کی آہ و فغاں پر قہقہے لگانے والا انسان اب اپنے مالکِ حقیقی کو اپنے سے قریب تر پا رہا تھا۔ اس پر رقت طاری ہوئی اور وہ سجدہ ریز ہو گیا۔ اپنے گناہوں اور سیاہ کاریوں میں ندامت کے آنسو بہاتا رہا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔ "اس لڑکے کی باتوں نے میرے قلب کی آنکھوں کو کھول دیا ہے۔ اس کو اپنی ماں کے الفاظ کا اس درجہ پاس ہے اور ہم اپنے مالکِ حقیقی سے کئے ہوئے عہد کو بھول گئے ہیں۔ یہ سچائی کے عوض اپنی پونجی دے رہا ہے اور ہم دوسروں کی پونجی لوٹنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔" اور اس طرح ظالم، جابر اور سنگ دل قزّاقوں کا سردار احمد بدوی اور اس کے ساتھی اپنے ننگِ انسانیت پیشے سے نہ صرف تائب ہو گئے، بلکہ اہل کارواں کا لوٹا

ہوا سارا مال بھی اُنہیں واپس کر دیا۔

بغداد میں تعلیم کے دوران آپ کو چیدہ چیدہ علمائے کرام سے استفادہ کرنے کا موقع ملا، جن میں حضرت ابوسعید مبارک مخزومیؒ، حضرت ابوالوفا ابن العاقلؒ، حضرت ابوالخطابؒ، حضرت ابوالخیر حماد الدباسؒ، حضرت ابوزکریا تبریزی محفوظ الکلوانیؒ، حضرت ابوالحسن محمد بن قاضی ابوالعلیؒ اور حضرت محمد بن الحسینؒ، حضرت ابومحمد جعفر السراجؒ، حضرت ابوالغنائم محمد بن مامون الفرّاسیؒ حضرت ابوالبرکات طلحہ العقیلیؒ، حضرت ابوعثمان اسمٰعیلؒ، حضرت ابوطاہر محمد عبدالرحمٰنؒ، حضرت ابوالمنصور عبدالرحمٰنؒ اور حضرت ابوالعز محمد بن المختارؒ خصوصی شہرت کے حامل تھے۔

آپ کی آٹھ سالہ تعلیم کی تکمیل پر جب دستارِ فضیلت ملی تو شیخ الجامعہ نے فخریہ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے عبدالقادر! ہم علومِ شرعیہ کی دستارِ فضیلت تم کو دیتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ تمہاری دانش اور فراست قابلِ رشک ہے، متعدد مقامات پہ احادیث کی تفسیر اور تاویل جس طرح تم نے کی ہم نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔"

بغداد میں آپ کی سکونت کا آٹھ سال پہ محیط عرصہ صرف درسی تعلیم تک محدود نہ تھا بلکہ اس دور میں آپ نے علومِ شریعت کے حصول کے ساتھ ساتھ علمِ طریقت اور عرفانِ حقیقت کی منزلیں بھی طے کی تھیں۔ آپ کے استاد حضرت ابوسعید مبارک المخزومیؒ سلسلہ طریقت میں حضرت معروف کرخیؒ، حضرت سری سقطیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ سے منسلک تھے اور اسی سلسلہ عالیہ کا خرقہ طریقت بھی پایا تھا۔ لہٰذا حضرت ابوسعید مبارک المخزومیؒ کے ساتھ رشتہ تدریس کے علاوہ رشتہ ارادت بھی قائم ہو چکا تھا۔ آپ جامعہ کے اوقاتِ مقررہ کے علاوہ خدمتِ شیخ میں بھی حاضری دیا کرتے تھے اور ان کی ذکر و فکر کی مجالس سے مستفید ہوا کرتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ حصولِ علم کی راہوں میں جس استقامت، صبر، تحمل، ایثار اور جہادِ نفس کا مظاہرہ نظر آتا ہے اُس میں بھی رنگِ طریقت نمایاں تھا۔ چنانچہ اس دور کے جو واقعات آپ کی سیرتِ طیبہ سے متعلق قدیم کتب میں ملتے ہیں ان میں مصائب و آلام کے ہجوم میں حصولِ رضائے الٰہی کی تڑپ اور خدمتِ خلق کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔

ان ہی ایام کا ذکر ہے کہ بغداد میں قحط سالی ہوئی۔ فصلیں تباہ ہو گئیں۔ کاروبار ٹھپ پڑ گئے، اچھے اچھے خوش حال لوگ نانِ شبینہ کے محتاج بن گئے۔ جویائے شریعت و طریقت حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ تو پہلے ہی سے عسرت و تنگدستی کے دن گزار رہے تھے، امتدادِ زمانہ کی گرفت اور سخت ہو گئی اور فاقوں پہ فاقے ہونے لگے۔ لیکن اس دور میں بھی جائز و ناجائز، حلال و حرام کی تمیز کا احساس اُسی طرح قائم رہا۔ اس زمانہ قحط کا ذکر خود آپ کی زبانی سنئے:-

"میں نے بغداد میں بیس دن تک کوئی چیز کھانے کی نہ پائی اور نہ مجھے

کوئی مباح چیز ملی۔ تب میں کسریٰ کے محل کے کھنڈر کی طرف گیا کہ کوئی مباح چیز مل جائے۔ میں نے وہاں ستر اولیاء اللہ کو پایا وہ سب کے سب یہی طلب کرتے تھے جو میں طلب کر رہا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ مروّت کی بات نہیں کہ میں ان کا مزاحم ہوں۔ پھر میں بغداد واپس آگیا۔ مجھے ایک شخص ملا۔ اس کو میں پہچانتا تھا کہ وہ ہمارے اہل میں سے تھا۔ اس نے مجھے سونے کا ایک ٹکڑا دیتے ہوئے کہا کہ یہ تمہاری والدہ نے تمہارے لئے بھیجا ہے۔ اس سونے کے ٹکڑے سے کچھ میں نے اپنے لئے رکھا اور باقی ان کھنڈرات میں جا کر ان ستر اولیاء میں تقسیم کر دیا۔ وہ کہنے لگے یہ کیا ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ یہ میری ماں نے بھیجا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ آپ لوگوں کے سوا اپنے ہی کو خاص نہ کروں۔ پھر میں بغداد کو لوٹا، کھانا خریدا اور فقراء کو آواز دی تو ہم سب نے کھایا۔"

یہ واقعہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ راہِ طریقت کی ابتدائی منزلوں میں ہی آپ کے جذبات و احساسات آپ کو کس منزل کی طرف لے جا رہے تھے۔

ان دنوں آپ پر جستجوئے حق کی کیفیت اس درجہ طاری ہو چکی تھی کہ آپ بسا اوقات بغداد کے بیابانوں میں چلے جاتے۔ نہ کھانے کی فکر ہوتی اور نہ غمِ دنیا۔ ریاضت و عبادتِ الٰہی آپ کا مشغلہ تھا۔ اکثر و بیشتر سلسلۂ عالیہ کے اکابرین حضرت معروف کرخیؒ، حضرت سرّی سقطیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے مزارات کی زیارت کے لئے بھی جاتے۔ انہی ایام کا ذکر ہے کہ آپ بغداد سے باہر ایک افتادہ و شکستہ حال بُرج میں محصور ہو گئے۔ اور از خود بارگاہِ خداوندی میں عہد کیا کہ آپ خود نہ تو کھائیں گے۔ نہ پئیں گے اور نہ ہی لباس تبدیل کریں گے اور اسی طرح مصروفِ مراقبہ رہیں گے تا وقتیکہ کوئی حق بین و حق شناس بندہ بحکمِ باری تعالیٰ آپ کو خود ہی کھلائے پلائے اور لباس تبدیل کرائے عین عنفوانِ شباب میں جملہ خواہشاتِ نفسانی کے خلاف ایک جہادِ عظیم تھا۔ جس سے نہ صرف تن آسانی اور نفس کی شرارتوں کا خاتمہ ہو رہا تھا بلکہ صبر و استقامت اور عزم و ہمت کی اعلیٰ صفات بھی اُبھر رہی تھیں۔ یوں ہی دن پہ دن گزرتے چلے گئے۔ دنیا میں کس کو فکر تھی کہ تلاش کرتا۔ اور تعلیم سے فارغ ہو جانے کے بعد تو آپ کا ویرانوں میں غائب ہو جانا معمول ہو گیا تھا۔ بلکہ آپ کے جذب و جنون کی یہ کیفیت دیکھ کر تو بہت سے لوگ آپ کو مجنوں کہنے لگے تھے۔

چالیس یوم ہونے میں ابھی چند دن باقی تھے کہ کسی شخص کا ادھر سے گزر ہوا اس نے آپ کی حالتِ زار دیکھی، دوڑ کر کھانا لایا۔ لیکن آپ پر تو جذب کیفیت کی حالت تھی۔ آپ نے اس کی طرف رغبت نہ کی۔ وہ کھانا آپ کے قریب رکھ کر چلا گیا۔ نفس آپ کو مجبور کرنے لگا کہ آپ کھانا کھائیں۔ آپ نے کھانے پر نظر ڈالی اور پھر کھانے کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ علم نے کہا تجھے کیا معلوم کہ یہ کھانا صدقہ ہے یا خیرات

اور اے شخص تو آلِ رسولؐ ہے تجھے تو زکوٰۃ لینے کی بھی اجازت نہیں۔ احساسِ بندگی نے طعنہ دیا۔ تُو نے تو اپنے مالک پروردگار سے عہد کیا ہے۔ شریعت رخصت دے رہی تھی اور طریقت دعوتِ عزیمت لئے کھڑی تھی۔ آپ نے اپنے قلب پر توجہ کی تو ماسوا اللہ ہر شے فنا ہو کر رہ گئی۔ تجرید و تفرید کی منزلیں سامنے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

چالیس یوم گزر گئے تو شیخِ طریقت حضرت ابو سعید مبارک مخزومیؒ تشریف لے آئے اور آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ آپ کے لئے خصوصی طعام تیار ہوا تھا۔ آپ کو لقمہ لقمہ پیر و مرشد نے اپنے ہاتھوں سے کھلایا۔ ہر لقمہ اور ہر گھونٹ جہاں جسم کو تروتازگی دے رہا تھا، وہاں رُوح کو بالیدگی اور باطن کو سوز کہ رہا تھا۔ بعدہٗ شیخِ طریقت نے سلسلہ عالیہ کا خرقہ اپنے ہاتھوں آپ کو پہنایا اور فرمایا اے عبدالقادر! یہ وہی خرقہ طریقت ہے جس کا سلسلہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا تھا۔ آپ نے خرقہ عطا فرمایا تھا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو اور اُن سے اولیائے کاملین کے ہاتھوں منتقل ہوتا ہوا اب یہ تم کو پہنچا ہے۔"

اس کے بعد کئی سال آپ کے صحرا نوردی میں گزرے۔ واپس آکر آپ نے اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

انہی ایام کا ذکر ہے ماہِ شوال ۵۲۱ھ کی سولہ تاریخ تھی اور ظہر کا وقت کہ آپ کو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ ارشاد ہوا "یا بُنیّ! تم وعظ و تلقین کیوں نہیں کرتے۔" آپ نے بصد آداب و احترام عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسولؐ! میں عجمی ہوں! ان فصحائے عرب کے مقابل میرے وعظ کو مقبولیت کیوں کر ہو سکتی ہے۔" حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا لعابِ دہن عطا فرمایا اور اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ پڑھتے ہوئے آپ کو وعظ و تلقین کی اجازت عطا کی۔

شاہِ جیلانؒ حبیب ربانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارتِ مبارکہ سے مسرور اور لعابِ دہن کی عطا سے مخمور، نمازِ ظہر سے فارغ ہوتے ہی از خود منبر پر تشریف لے گئے۔ اللہ عزّ و جلّ کی حمد و ثناء بیان ہوئی ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود و سلام پیش ہوا۔ لوگوں نے جو خلافِ معمول آپ کو منبر پر اس طرح حمد و ثناء اور درود و سلام پڑھتے دیکھا تو آپ کے سامنے جمع ہو گئے اور آپ کا وعظ سُنا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس کے حکم کی تعمیل میں زینتِ منبر ہوئے ہیں۔

شیخِ جیلانیؒ کو سلسلہ موعظت شروع کئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ عجمی ہونے کے باوجود آپ کی زبانِ نطق بیان میں وہ روانی، تسلسل اور شیریں بیانی آگئی۔ کہ عرب کے بڑے بڑے فصحاء اور قادر البیان خطیب حیرت زدہ رہ گئے۔ ایک قلیل مدت میں آپ کی شہرت نہ صرف بغداد کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی بلکہ بغداد سے باہر کی دنیا میں بھی آپ کے چرچے ہونے لگے۔

حضرت شیخ نے سلسلہ موعظت اپنی جامعہ کی مسجد میں شروع کیا تھا جو زیادہ بڑی نہ تھی۔ لوگوں کا اتنا ہجوم ہونے لگا کہ اس میں سب کی سمائی ممکن

نہ رہی۔ لوگوں کی درخواست پر آپ نے وعظ کا سلسلہ جامع مسجد میں شروع کر دیا جو کہ شہر کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد سامعین کی تعداد جامع مسجد کی حدود سے بھی متجاوز ہو گئی۔ لہٰذا آپ کے مرید اور محب آپ کے منبر کو عیدگاہ لے گئے جس کا میدان کشادہ اور وسیع تھا۔ بعد میں لوگوں کی خواہش کے مطابق آپ نے ہفتہ میں تین یوم جمعہ، اتوار اور پیر وعظ کے لئے مقرر کئے۔ ایک دن آپ اپنے مدرسہ میں وعظ فرماتے جو اب خانقاہِ عبدالقادر کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ باقی کے دو یوم جامع مسجد اور عیدگاہ کے لئے مقرر تھے۔

آپ کے مواعظ سننے کے لئے ہر طبقہ، خیال اور مکتبۂ فکر کے لوگ آیا کرتے تھے ان میں اصفیاء و فقہاء بھی ہوتے تھے اور علماء و مشائخ بھی۔ عام لوگوں کے علاوہ خواص کی بھی بڑی تعداد ہوا کرتی تھی۔ بسا اوقات وزراء اور عمّالِ حکومت بھی سامعین میں شامل ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی شریکِ مجلس ہوتے اور اپنے اپنے دامن آپ کے رُشد و ہدایت کے موتیوں سے بھر کر اُٹھتے۔ کبھی وعظ کے اختتام پر آپ سے بیعت کرنے والوں کی طویل صف ہوتی اور کبھی یہود و نصاریٰ مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے منتظر رہتے تھے۔

۵۶۱ھ کا سال شروع ہوئے تقریباً تین ماہ ہو رہے تھے کہ آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ روزمرّہ کے معمولات میں بھی کمی ہو گئی۔ اہلِ خانہ اور اہلِ طریقت کو تشویش ہونے لگی۔ ربیع الثانی کا مہینہ شروع ہوا تو نقاہت میں اور اضافہ ہو گیا۔ بخار اور جسم میں درد، کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتا۔ بیشتر وقت بسترِ علالت پہ گزرنے لگا۔ ایک دن آپ نے اہلِ بیت کو طلب کیا۔ سب آپ کے حجرے میں آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے دیگر باتوں کے علاوہ انہیں یہ بھی کہا کہ اب وہ زیادہ عرصہ ان کے درمیان نہ رہیں گے۔

حضرت قطبِ ربّانی غوثِ صمدانیؒ کی حالت جب غیر ہوئی تو بغداد کے مشائخینِ کبار اور تمام صاحبزادگانِ ذی وقار آپ کے حجرۂ مبارک میں آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ ہر ایک خاموش تھا لیکن حیران و پریشان، کوئی نہیں جانتا تھا کہ آپ سے کیا کہے اور کیا کرے۔ آپ تکلیف میں بھی تھے اور یادِ الٰہی میں مصروف بھی۔ قلب ہی نہیں، رونگٹا رونگٹا اللہ اللہ کہہ رہا تھا۔ آپ کے صاحبزادگان نے جب غروبِ آفتاب کے آثار نمایاں دیکھے تو عرض کیا: "بابّا! ہم کو کوئی وصیت عطا فرمائیں"۔ ارشاد ہوا:-

"اللہ تعالیٰ کے لئے تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے خائف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے اُمیدیں وابستہ نہ کرو۔ اپنی ضروریات کو اللہ کے حوالے کر دو۔ اس کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرو۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرو اور کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کرو۔ توحید پر قائم رہو جس پر سب کا اتفاق ہے۔"

کچھ دیر بعد آپ نے تازہ وضو کی خواہش ظاہر کی۔ وضو کر کے آپ مصلّے پر بیٹھ گئے اور نمازِ عشاء ادا فرمائی۔ زندگی کی آخری نماز! بارگاہِ ربوبیت میں

سجدہ ریز ہوئے اور عرض کیا:

اے اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کی مغفرت فرما۔

اے اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت پر رحم فرما۔

اے اللہ! رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کے گناہوں اور خطاؤں اور غلطیوں کو معاف فرما۔

پھر آواز جیسے ڈوبنے لگی۔ آپ کے صاحبزادگان جو آپ کے بالکل قریب تھے، اُن کی روایت کے مطابق دستگیرِ بے کساں، شاہِ جیلاںؒ نے اللہ! اللہ! اللہ!!! قدرے زور دے کر کہا اور پھر آپ کی روح — امرِ ربّی اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر گئی۔ آپ کی تاریخ وفات ۸ ربیع الثانی ۵۶۱ھ ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

نذرانۂ عقیدت بحضورِ بارگاہِ غوثیت

دُنیائے اسلام کے چوٹی کے اولیائے کرام۔ صوفیائے عظام۔ سالکانِ راہ حقیقت اور شعرائے کرام نے آپ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

(۱) حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی اجمیری

المتوفی ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء

یا غوثِ معظّم نورِ ھُدیٰ
مختارِ نبی مختارِ خُدا
سلطانِ دو عالم قطبِ علیٰ
حیراں زِ جلالت ارض و سما

(۲) حضرت خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی چشتی دہلوی

المتوفی ۱۲۳۸ء

قبلۂ اہلِ صفا حضرت غوث الثقلین
دستگیر ہمہ جا حضرت غوث الثقلین

(۳) حضرت مخدوم سیّد علاء الدین احمد صابر کلیری چشتی

المتوفی ۱۲۹۱ء

در ہر دو کون جُز تو کسے نیست دستگیر
دستم بگیر از کرم اے جانِ عاشقان

(۴) حضرت ابو الفتح سیّد محمد الحسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز چشتی المتوفی ۱۴۲۲ء

یا قطبِ ما یا غوث اعظم یا ولی روشن ضمیر
بندہ دام تا بندہ ام جُز تو ندارم دستگیر

(۵) مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ

المتوفی ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء

گویم ز کمالِ تو چہ غوث الثقلین
محبوبِ خدا ابنِ حسن آلِ حسینؓ

(۶) شاہ عبد الحقؒ محدّث دہلوی المتوفی ۱۶۴۲ء

غوثِ اعظم دلیلِ راہِ یقین
بہ یقین رہبرِ اکابرِ دین